مولانا عبدالرحمان کیلانی

دارالافتا

# نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح

جناب ایس۔ ایم۔ رضا شاہ (۲۳۴ راوی بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور) نے ایک طویل خط ادارہ محدث کو ارسال کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"السلام علیکم ——— آپ کے مؤقر ماہنامہ محدث (ستمبر، اکتوبر ۸۶ء) میں "نکاح و طلاق وغیرہ کے چند مسائل" کے عنوان کے تحت مولانا سعید مجتبیٰ السعیدی نے ایک سوال کہ "بلوغت سے قبل جو نکاح کیا جائے، کیا یہ نکاح شرعی طور پر جائز ہوگا یا نہیں؟" کے جواب میں فرمایا ہے کہ "صغرسنی میں بلوغت سے قبل جو نکاح کیا جائے، شرعاً واقع ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ لڑکی بلوغت کے بعد اس نکاح پر رضامندی کا اظہار کر دے۔" نیز مولانا عبدالرحمان کیلانی نے "بچپن کی شادی" کے عنوان کے تحت (شمارہ اگست ۸۶ء) میں فرمایا ہے کہ:

"(قرآن ہی سے بچپن کی شادی کا جواز یوں ثابت ہوتا ہے) ——— ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَالّٰٓـِٔیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ" (الطلاق: ۴)

"اور تمہاری مطلقہ عورتیں، جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں، اگر تمہیں (ان کی عدت کے بارے میں) شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ اور ان کی بھی جنہیں ابھی حیض شروع ہی نہیں ہوا۔ اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔"

"اب دیکھئے آیتِ بالا میں بوڑھی، جوان اور بچی سب طرح کی عورتوں کا ذکر ہے۔ بوڑھی اور بچی کی عدت تین ماہ ہے اور جوان (یعنی بالغ جو قابلِ اولاد

ہو) کی عدت، اگر اسے حمل ہے، تو وضع حمل تک ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ عدت کا سوال طلاق کے بعد ہی پیدا ہو سکتا ہے اور طلاق کا نکاح کے بعد، گویا نابالغ کا نکاح بھی از روئے قرآن جائز ہے۔"

(محدث شمارہ اگست ۷۸ء ص ۵۲-۵۳)

قبل ازیں ایک مشہور عالم بھی (ترجمان القرآن ماہ اکتوبر ۶۹ء) میں اس موقف کا اظہار کر چکے ہیں کہ ایسی لڑکی جسے ابھی حیض آنا شروع نہ ہوا ہو، اس سے نہ صرف نکاح کر دینا جائز ہے، بلکہ شوہر کا اس کے ساتھ خلوت کرنا بھی جائز ہے۔

تو اس ضمن میں گزارش یہ ہے کہ چونکہ محدث بھی بالا مندرجات سے متفق نظر آتا ہے، لہذا آپ اس پر روشنی ڈالیں کہ قرآن سے یہ استدلال اس کی معنوی تحریف میں نہیں آتا؟ اولاً تو یہ دیکھئے کہ آیت میں لفظ "نساء" کا معنیٰ "بچی" کیا جا سکتا ہے؟ قرآنِ کریم میں متعدد بار اس لفظ کا استعمال آیا ہے، کیا خود اللہ رب العزت نے اسے "بچی" کے معنوں میں استعمال کیا ہے؟ مولانا کیلانی صاحب نے ترجمہ کیا ہے: "اور ان کی بھی جنہیں ابھی حیض شروع ہی نہیں ہوا" سوال یہ ہے کہ "لَمْ يَحِضْنَ" کا یہ ترجمہ کس قاعدے کی رو سے کیا گیا ہے؟ آپ لفظ "ابھی" سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اس سے مراد نابالغ ہے۔ حالانکہ "نساء" کے لفظ سے یہ ثابت ہے کہ یہ وہ بالغ عورتیں ہیں جن کی عمر تو ایسی ہو کہ انہیں بالعموم حیض آیا کرتا ہے، لیکن کسی عارضہ کے باعث انہیں حیض نہیں آیا۔ تو اس صورت میں عدت کا شمار مہینوں سے ہوگا۔ بہر حال اردو میں قرآنِ کریم کے متعدد ترجموں میں آیت کا ترجمہ کم و بیش انہی الفاظ میں آیا ہے کہ جن عورتوں کو کسی عارضہ کے سبب حیض نہ آیا ہو۔

جناب کیلانی صاحب نے اپنے مخالف کے اس حوالہ پر کہ "دین کا فیصلہ یہ ہے کہ نکاح کی عمر ہی بلوغت کی عمر ہے" (سورۃ النساء آیت ۶) اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ حالانکہ بات تو بالکل صاف ہے کہ یتیموں کے جو مال سرپرستوں کے پاس امانت رکھے جاتے ہیں، ان کی واپسی کے سلسلے میں تم یتیموں کو اس وقت تک آزماتے رہو، جب تک کہ وہ نکاح کی عمر کو نہ پہنچ جائیں۔ "وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ" یہاں سے بالکل واضح ہے کہ قرآن کی رو سے نکاح کا

وقت وہ ہے جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچیں۔ یعنی لڑکے اور لڑکیوں کی یہ عمر نکاح کی عمر نہیں بلکہ عمر کا ایک حصہ ہے، جس سے گزرتے ہوئے وہ نکاح کی عمر کو پہنچتے ہیں۔ سورۃ نساء کی آیۂ مذکور قابلِ توجہ ہے۔ جب قرآن کی رُو سے مردوں اور عورتوں کے نکاح کی شرط ان کا بالغ ہونا ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ نابالغ بچیوں کا نکاح قرآن کے منشاء کے خلاف ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ فریقین میں اگر کوئی فریق نابالغ ہے اور وہ نکاح باندھ جائے تو وہ بندھتا ہی نہیں ہے۔ نکاح کو "مِيثَاقًا غَلِيظًا" (النساء: ۲۱) یعنی "پختہ معاہدہ" قرار دیا گیا ہے۔ اور معاہدہ کے لیے ضروری ہے کہ فریقین بالغ ہوں۔ ایل۔ ایل۔ بی کی تیاری میں ہم نے (LAW CONTRACT) کے تحت پڑھا تھا کہ معاہدہ ہوتا ہی بالغ افراد کے درمیان ہے۔ نکاح کی تشریح لفظ "عقدۃ النکاح" میں موجود ہے۔ "عقد" کا معنیٰ گرہ" بھی ہے اور "وعدہ" بھی۔ "عقود" اس کی جمع ہے۔ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ" کہ "ایمان والو، وعدے وفا کیا کرو"، ظاہر ہے کہ یہ حکم بالغ مرد و عورت کو دیا جا رہا ہے، نابالغ بچی کو نہیں۔ جو نہ عہدِ نکاح کو سمجھے نہ وفائے عہد سے واقف ہو۔ عقدِ نکاح وہ وعدہ ہے جس سے ازدواجی زندگی شروع ہوتی ہے اور فریقین اپنی اپنی ذمہ داریوں کے لیے پابند کیے جاتے ہیں۔ عورتوں کو "وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ" کی رُو سے گھریلو ذمہ داریوں کو نبھانا ہے، جبکہ مرد بروئے آیت "الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ" عورتوں کی ضروریاتِ زندگی کے کفیل ہیں۔ "عقد" ایک وعدہ ہے جو عرفِ عام میں ایجاب و قبول کے مصداق ہے۔ عورت اپنی تمام نسوانی خدمات پیش کرتی ہے اور مرد قبول کرتا ہے۔ اب بتائیے کہ اگر فریقین کی یہ حالت ہے کہ لڑکا نابالغ ہے، نہ اولاد پیدا کرنے کے قابل، نہ روزی کمانے کے لائق، تو کس سے وعدہ لیا جائے گا کہ بیوی کی ضروریاتِ زندگی پوری کرے گا؟ اسی طرح اگر لڑکی نابالغ ہے، نہ گھر کا کام کرنے کے قابل ہے نہ اولاد پیدا کرنے کے قابل، تو کس سے عقد ہوگا؟ کس سے وعدہ لیا جائے گا کہ گھر کا کام کاج اور اولاد پیدا کر کے اس کی صحیح تربیت اور پرورش کے فرائض سرانجام دے گی؟ عقدِ نکاح حقیقت پر مبنی ہوتا ہے یہ کوئی ڈرامہ نہیں ہے نہ ہی گڑیوں کا کھیل۔ اگر کسی پانچویں جماعت کے

لڑکے کو گورنمنٹ ہاؤس لے جاکر جج کے عہدے کا حلف اس سے اٹھوایا جائے کہ وہ اس فرض کو نہایت دیانتداری سے ادا کرے گا، تو جس طرح وہ لڑکا جج نہیں ہوتا، اسی طرح اگر کسی نابالغ لڑکے یا لڑکی سے نکاح کا عہد کرایا گیا تو نہ لڑکا شوہر ہوتا ہے نہ لڑکی بیوی۔ قرآن کی رُو سے جب وہ نکاح کو پہنچے ہی نہیں تو نابالغی کا نکاح، نکاح ہی نہیں۔

پھر ہمارے فقہاء کہتے ہیں کہ نابالغ لڑکی، بالغ ہونے پر اگر نکاح کو رد کردے تو فسخ ہوجاتا ہے، تو پھر وہ نکاح کیسا تھا؟ اس کی کیا حیثیت تھی؟ قرآنِ کریم نے مردوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے کہ " نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ " کہ "تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔" کھیتی چونکہ پیداوار کے لیے ہوتی ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ لڑکی جب تک بالغ نہ ہو، کھیتی نہیں کہلا سکتی۔ بالغ ہوکر پیداوار کے قابل ہوجائے تو کھیتی ہوگی اور تب اس کے نکاح کا سوال پیدا ہوگا۔ پھر ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے، کہ وہ ایسے مرد کے سپرد کی جائے گی جو اولاد پیدا کرنے کے قابل ہو، یعنی بالغ ہو۔ کھیتی کا لفظ عورت کے لیے لایا گیا ہے جو بالغ اور اولاد پیدا کرنے کے قابل ہوتی ہے، نابالغ بچی کے لیے نہیں آیا۔ جو پھل ابھی پکا ہی نہیں، اسے آپ توڑ کر کھانے کے لیے کیسے موزوں سمجھیں گے؟

پھر طبی نقطۂ نظر سے بھی نابالغ بچی قابلِ مجامعت نہیں۔ اس سے خلوت ضرر انگیز ہے اور کئی جسمانی عوارض کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے۔ آپ کسی ماہر گائناکولوجسٹ سے استفسار کیجئے، اُمید ہے آپ محدث کے "ٹائٹل بیک" پر تحریر کردہ اعلانات کی روشنی میں کہ "علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں" اپنے اعلیٰ خیالات سے مستفید فرمائیں گے۔ بہتر ہوگا اگر میرا عریضہ بھی ساتھ ہی شائع کردیں تاکہ قارئین دونوں نقطۂ نظر سے آگاہ ہوسکیں۔

والسلام!

# الجواب بعون الوہاب

## ۱۔ نکاح کی عمر؟

احکام و اصولِ شرعیہ میں یہ حکمت ملحوظ رکھی گئی ہے کہ عام حالات میں اِن اصول و احکام کا اطلاق عام مسلمانوں پر ہو سکے۔ تاہم انسانوں کی مختلف استعداد اور مختلف صورتِ احوال کا لحاظ رکھتے ہوئے شریعتِ مطہرہ نے مستثنیات کا حل بھی پیش فرما دیا ہے۔ ایسے مستثنیات محض جواز یا رخصت کے درجہ پر ہوتے ہیں، اصولی احکام کے درجہ پر نہیں ——— یہ مستثنیات کئی طرح کے ہو سکتے ہیں، مثلاً:

(ا) بعض دفعہ یہ مستثنیات حالات سے مشروط ہوتے ہیں۔ جیسے نماز کے لیے اصولی طور پر تو پانی سے وضو کرنے کا حکم ہے لیکن اگر پانی نہ مل سکے، یا پانی تو دستیاب ہو، مگر کسی بیماری کی وجہ سے اس کا استعمال نقصان دہ ہو، یا کوئی دیگر ایسا قوی مانع موجود ہو جس کی وجہ سے نمازی پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو تو مٹی سے تیمم کر سکتا ہے۔ ایسے حالات میں تیمم کرنا رخصت یا جواز ہے۔

(ب) اصل حکم یہ ہے کہ ہر بالغ مسلمان رمضان کے روزے رکھے۔ ایک پیرِ فرتوت یا ایسا مریض جس کا مرض لاعلاج شکل اختیار کر چکا ہو، کفارہ دے سکتا ہے۔ کفارہ کی ادائیگی رخصت ہے اور جواز کے درجہ پر ہے، کوئی اصل یا حکم نہیں۔

(ج) حالتِ اضطرار میں محرمات تک بھی حلال ہو جاتے ہیں۔ اس حالت میں مردار کھا لینا رخصت یا اجازت ہی رہے گا، اصولی حکم نہیں بن سکتا۔

غرض اس طرح کی بیسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ ہر معاملہ میں ہمیں یہ تمیز کر لینی چاہیئے کہ اصولی حکم کیا ہے اور رخصت کیا؟ اور ان دونوں کو آپس میں گڈمڈ نہ کرنا چاہیئے۔

اب مسئلہ زیرِ بحث یہ ہے کہ اصولی طور پر نکاح کی عمر کیا ہے؟ تو اس کے متعلق ہم واشگاف لفظوں میں یہ کہیں گے کہ نکاح کی اصل عمر بلوغت ہی ہے۔ جو اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ آیا اس اصول میں کچھ مستثنیات بھی ہیں یا نہیں؟ بالفاظِ دیگر

یہ سوال یوں ہوگا کہ آیا بلوغت سے قبل بچپن میں بھی نکاح جائز ہے یا نہیں؟

مستثنیات کی تلاش و تحقیق کے لیے ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ نکاح کے مقاصد کیا ہیں؟ شاہ صاحب موصوف کے نزدیک نکاح کا مقصد صرف حصولِ اولاد ہے۔ لہٰذا ان کے سارے دلائل کا محور یہی ہونا چاہیئے کہ نکاح کی عمر حقیقتاً بلوغت ہی ہے۔ اس سے پہلے چونکہ یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا لہٰذا قبل از بلوغت نکاح بھی جائز نہیں ہوتا۔

لیکن ہمارے نزدیک نکاح کے مقاصد اور بھی ہیں، صرف حصولِ اولاد نہیں۔ نکاح کا اصل مقصد —— جس کے لیے اسلام نے نکاح کا حکم دیا ہے —— فحاشی، بے حیائی اور زنا سے اجتناب، مرد و عورت دونوں کی عفیف زندگی اور اس طرح پاک و صاف اور ستھرے معاشرہ کا قیام ہے۔ اسی لیے کتاب و سنّت میں والدین کو بلوغت کے فوراً بعد نکاح کر دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ رہی حصولِ اولاد کی بات، تو یہ اصل مقصد نہیں بلکہ ایک اہم مقصد کا ثمرہ ہے۔ اور یہ انسان کے اپنے بس کی بات ہے ہی نہیں۔ یہ عین ممکن ہے کہ ایک بالغ جوڑے کی شادی کر دی جائے اور تا زیست ان کے ہاں اولاد نہ ہو۔ تو اس پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ نکاح بلا مقصد ہے —— اگرچہ ایسے واقعات کی تعداد ۵ فیصد سے زیادہ نہیں تاہم اس سے انکار بھی ممکن نہیں۔

نکاح کا دوسرا مقصد، قریبی رشتہ داروں میں قرابت کے تعلق کو برقرار رکھنا اور مودّت کو بڑھانا ہے۔ تیسرا مقصد دینی اخوت کا قیام اور اس میں اضافہ ہے۔ غرضیکہ نکاح ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ کئی طرح کے دینی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اور بعض دفعہ ایسے مقاصد، حصولِ اولاد سے بھی زیادہ اہمیت اختیار کر جاتے ہیں۔ آپ ذرا حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر نظر ڈالیے کہ آپؐ نے کتنے نکاح کئے؟ کس عمر میں کیے؟ کس عمر کی عورتوں سے کیے اور کس کس مقصد کے تحت کیے؟ تو یہ حقیقت از خود منکشف ہو جائے گی کہ نکاح کا مقصد محض جنسی خواہشات کی تکمیل یا حصولِ اولاد ہی نہیں ہوتا بلکہ اس سے بلند تر مقاصد بھی ہو سکتے ہیں۔

اب جبکہ نکاح کے مقاصد ہی میں تنوع پیدا ہو گیا تو ضروری ہے کہ نکاح کی عمر "بلوغت" میں بھی استثناء موجود ہو۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ اصولی طور پر

نکاح کی عمر بلوغت ہے تاہم یہ ہر عمر میں جائز ہے اور جائز ہونا بھی چاہیئے۔ اس لحاظ سے اگر ایک طرف نابالغ بچی کا نکاح نابالغ لڑکے، جوان اور بوڑھے سے جائز ہے تو دوسری طرف ایک لڑکے کا نکاح اپنے سے بہت بڑی عمر کی عورت، مطلقہ بلکہ دو تین بار کی مطلقہ عورت سے بھی جائز ہے۔

## ۲۔ معنوی تحریف :

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب "بچی" کے لیے قرآن میں "نساء" کا لفظ کہیں بھی استعمال نہیں ہوا تو پھر جس آیت زیرِ بحث (النساء: ۶۵) میں "نساء" کے لفظ سے خطاب ہے، اس میں بچیوں کو کیوں شامل کر کے نابالغ لڑکی کے نکاح کا جواز ثابت کیا جاتا ہے؟ اور اگر کوئی شخص "نساء" میں خواہ مخواہ بچیوں کو شامل کر کے بچی کے نکاح کو درست سمجھتا ہے تو اسے قرآن کی معنوی تحریف کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

اس ضمن میں ہم صرف اسی قدر عرض کریں گے کہ جس طرح عورتوں اور مردوں کے مشترکہ مجمع یا گروہ کے لیے خطاب کے وقت جمع مذکر کے صیغے اور ضمائر ہی استعمال کیے جاتے ہیں، اور یہ خصوصیت صرف عربی زبان کی ہی نہیں، بلکہ ہر ملک میں اور ہر زبان میں یہی دستور ہے، بالکل اسی طرح اگر کسی ایسے اجتماع یا گروہ کو خطاب کیا جائے جس میں بچیاں، جوان اور بوڑھی ہر طرح کی عورتیں موجود ہوں تو ان کے لیے "نساء" کا لفظ ہی استعمال ہو گا۔ آیت زیرِ بحث میں چونکہ ہر طرح کی عورتوں کی عدت کا ذکر ہے، لہٰذا یہاں لفظ "نساء" آیا اور یہی آنا چاہیئے تھا۔ ہم شاہ صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اگر انہیں ایسے مجمع کو خطاب کرنا پڑے جس میں بچیاں، جوان اور بوڑھیاں سب اس نسبت سے ہی موجود ہوں جس نسبت سے معاشرہ میں موجود ہیں، تو وہ ایسے مجمع سے خطاب کے لیے کونسا لفظ استعمال کریں گے؟

معنوی تحریف کے سلسلہ میں شاہ صاحب کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ "لَمْ يَحِضْنَ" کا ترجمہ "جنہیں ابھی حیض شروع ہی نہیں ہوا" گرامر کے کس قاعدہ کی رُو سے ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جب مضارع پر "لَمْ" داخل ہو تو دو طرح کے معنوی تغیر کا سبب بنتا ہے۔ ایک تو مضارع کو ماضی میں بدل دیتا ہے

ے کے الفاظ قابلِ توجہ ہیں۔ اگر شاہ صاحب کے نزدیک "نساء" میں "بچی" کو شامل کرنا جائز نہیں، تو کیا نابالغ بچے بچیاں "رجالا" اور "نساء" میں شامل نہ ہو کر اولادِ آدم و حوا نہیں! واضح رہے یہ آیت نکاح کے موقع پر پڑھی

دوسرے معنی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس لحاظ سے جو ترجمہ ہم نے پیش کیا تھا وہ درست ہے۔ اور ہم اپنی تائید میں درج ذیل شواہد بھی پیش کرتے ہیں:

ترجمہ ۱: شاہ رفیع الدین صاحب "اور وہ جو نہیں حائض ہوئیں"

ترجمہ ۲: فتح الحمید۔ "اور جن کو ابھی حیض نہیں آنے لگا"

ترجمہ ۳: تفہیم القرآن "اور یہی حکم ان کا ہے جنھیں ابھی حیض نہ آیا ہو"

ترجمہ ۴: کنز الایمان (احمد رضا خاں صاحب) "اور ان کی جنھیں ابھی حیض نہ آیا"

ہمارے خیال میں ہمارے ترجمہ کی تائید میں اتنے شواہد کافی ہیں۔ تاہم عند الطلب ان میں کافی حد تک اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

اب جناب شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

"اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کی عمر تو ایسی ہو کہ انہیں بالعموم حیض آیا کرتا ہے لیکن کسی عارضہ کے باعث انہیں حیض نہیں آتا۔ تو اس صورت میں عدت کا شمار مہینوں سے ہوگا۔ بہر حال اردو میں قرآن مجید کے متواتر ترجموں میں اس آیت کا ترجمہ کم و بیش انہی الفاظ میں آیا ہے کہ جن عورتوں کو کسی عارضہ کے سبب حیض نہ آیا ہو"

شاہ صاحب کے اس ترجمہ پر ہمیں دو اعتراض ہیں۔ پہلا یہ کہ ان کے موقف کے مطابق نکاح کی عمر بلوغت ہے۔ اور بلوغت کی عمر کی علامت لڑکے کے لیے احتلام اور لڑکی کے لیے حیض کا آنا ہے۔ اب اگر کسی لڑکی کو تادیر حیض ہی نہیں آتا ۔ خواہ یہ کسی عارضہ کے باعث ہی ہو ۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نہ وہ بالغہ کہلا سکتی ہے اور نہ ہی اس کا نکاح ہو سکتا ہے، لہٰذا اس کی طلاق یا عدت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؛ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسی عورتوں کی بھی عدت کا ذکر کر دیا ہے (جیسے شاہ صاحب ہی کے بقول کہ "انہیں کسی عارضہ کے باعث حیض نہیں آیا") تو کیا ان کا نکاح ناجائز ہوگا؛ حالانکہ قرآن مجید نے اگر ان کی عدت کا ذکر کیا ہے تو یہ عدت طلاق کے بعد، اور طلاق نکاح کے بعد ہی واقع ہوتی ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ حیض آئے بغیر یا حیض آنے سے پہلے بھی عورت کا نکاح ہو سکتا ہے۔

اور ہمارا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ شاہ صاحب نے فرمایا ہے کہ ان کے متعین

کردہ معانی متعدد اردو تراجم میں موجود ہیں۔ لیکن ان متعدد اردو تراجم میں سے حوالہ کسی ایک کا بھی نہیں دیا، لہٰذا یہ بے دلیل بات ہوئی۔ شاہ صاحب کے اس بیان میں حقیقت صرف اس قدر ہے کہ حیض نہ آنے کی چار مختلف صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی ہے۔ اور وہ چار صورتیں یہ ہیں:

۱۔ کمسنی کی وجہ سے حیض نہ آنا۔

۲۔ کسی عارضہ کی وجہ سے کافی عمر تک حیض نہ آنا۔

۳۔ ساری عمر ہی حیض نہ آنا۔

۴۔ بڑھاپے کی وجہ سے حیض کا بند ہو جانا۔

ان چار صورتوں میں آخری صورت کا تو قرآن نے الگ سے ذکر کر دیا ہے۔ باقی تینوں صورتیں "لَمْ يَحِضْنَ" کے حکم میں شامل ہیں۔ یعنی ان تینوں قسم کی عورتوں کا نکاح بھی ہو سکتا ہے اور طلاق بھی۔ اور ان کی عدت تین ماہ ہی ہوگی۔ اس تفسیری عموم کے باوجود چونکہ قرآن کے الفاظ کا ترجمہ وہی ہے جو ہم نے پیش کیا ہے۔ لہٰذا ان تین صورتوں میں سے بھی ترجیحی صورت وہی پہلی متصور ہوگی جس کی رو سے نابالغ بچیوں کا نکاح جائز قرار پاتا ہے۔

## ۳۔ عقدِ نکاح اور بلوغت:

آپ فرماتے ہیں کہ عقدِ نکاح میں ایجاب و قبول شرط لازم ہے، اور یہ ایجاب قبول اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ فریقین میں سے ہر ایک بالغ ہو۔ نیز فرمایا کہ:

"عقدِ نکاح حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ کوئی ڈرامہ یا گڑیوں کا کھیل تو نہیں ہوتا۔ اگر کسی پانچویں جماعت کے لڑکے کو گورنمنٹ ہاؤس لے جا کر جج کے عہدے کا حلف اٹھوایا جائے کہ وہ اس فرض کو نہایت دیانتداری سے ادا کرے گا تو جس طرح وہ لڑکا جج نہیں ہوتا، اسی طرح اگر کسی نابالغ لڑکے یا لڑکی سے نکاح کا عہد کرایا گیا تو نہ لڑکا شوہر ہوتا ہے نہ لڑکی بیوی۔ قرآن کی رو سے جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچے ہی نہیں تو نابالغی کا نکاح نکاح ہی نہیں۔"

اس اقتباس کے آخری جملے کا جواب تو ہم دے چکے ہیں۔ اب آپ کی پیش کردہ مثال کی طرف آیئے، تو یہ مثال قیاس مع الفارق ہے اور کئی وجوہ کی بنا پر غلط ہے مثلاً:

۱۔ مشاہدہ یہ ہے کہ پانچویں جماعت میں پڑھنے والے بچوں میں سے ایک فیصد بھی ایسے نہیں ہوتے جو بعد میں جج کے عہدہ پر فائز ہوں۔ لیکن بچپن کی شادیاں اکثر کامیاب ہی ثابت ہوتی ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان میں سے ایک فیصد ہی شادیاں ہوتی ہیں جو کامیاب نہیں رہتیں، تو بے جا نہ ہوگا۔ دورِ نبوی پر نظر ڈالیے۔ ان دنوں بچپن کی شادی کا رواج عام تھا۔ لیکن سارے دورِ نبوی میں عدالتِ نبوی میں صرف ایک مقدمہ ایسا آیا، جس میں لڑکی نے بلوغت کے بعد اپنے ولی کے نکاح پر نارضامندی کا اظہار کیا تو آپ نے اس عورت کو (نکاح کے باقی رکھنے یا فسخ کرنے کا) اختیار دے دیا۔ اس پر اس نے یہ کہا کہ "میں اپنے باپ کے کیئے ہوئے نکاح کو باقی رکھتی ہوں۔ اس سوال سے میرا مقصود صرف یہ تھا کہ عورتوں کو علم ہو جائے، نکاح کے معاملہ میں (ان کی مرضی کے بغیر ان کے) آباء کو کوئی حق نہیں"۔

(سنن ابن ماجہ مع مفتاح الحاجۃ ص ۱۳۶)

۲۔ عملی لحاظ سے یہ مثال اس لیے غلط ہے کہ بچپن کی شادی کی صورت میں ایجاب یا قبول، لڑکی یا لڑکا خود نہیں کرتے، نہ ہی ان سے کروایا جاتا ہے۔ بلکہ ان کے والدین یا ولی کیا کرتے ہیں۔ حلفِ وفاداری کا عمل صرف اصالتاً ہی وقوع پذیر ہو سکتا ہے، جبکہ ایجاب و قبول کی ذمہ داریاں ولایتاً بھی تسلیم کر لی جاتی ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایک نابالغ بچی کا نکاح ہو رہا ہو، تو اسی سے نکاح پر رضامندی کے لیے صاد کرایا جائے (ایجاب) یا نابالغ بچے سے حق مہر اور نان و نفقہ کی ذمہ داریوں کا اقرار بھی اسی نابالغ سے کروایا جائے (قبول)، بلکہ لڑکے کا والد جو ایسی ذمہ داری قبول کرتا ہے، تو وہ اس کو پوری ذمہ داری کے ساتھ نباہتا بھی ہے تاآنکہ لڑکا بالغ اور برسرِ روزگار ہو کر اپنی ذمہ داری خود سنبھالنے کے قابل ہو جاتا، اور پھر اسے سنبھال بھی لیتا ہے۔ یہی صورتِ حال لڑکی کے والد یا ولی کی بھی ہوتی ہے۔

اب دیکھنے کی بات صرف یہ رہ جاتی ہے کہ عقود و معاہدات میں ولایت کو قرآنِ کریم نے تسلیم کیا ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب ہمیں قرآنِ مجید سے اثبات میں

ملتا ہے۔ شاہ صاحب تو معاہدہ کے لیے صرف بلوغت کو شرط قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ معاہدہ کے لیے بالغ ہونے کے علاوہ عاقل ہونا بھی لازمی شرط ہے۔ اب یا تو ایسے نابالغ اور نادان افراد کو ایسے تمام حقوق سے محروم کر دیجئے، جن کی حفاظت معاہدات و عقود کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ یا پھر معاہدات میں ولایت کو تسلیم کر لیجئے۔ لین دین کے معاہدات میں جہاں کتابت کا حکم دیا گیا ہے وہاں ایسی صورتوں کا حل بھی اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ - الآیۃ"

(البقرۃ: ۲۸۲)

"پھر اگر قرض لینے والا بے عقل ہو یا ضعیف ہو یا مضمون لکھوانے کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ املا کروا دے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین صورتوں میں ولی کو معاہدہ کے فریق کا مختار بنا دیا ہے

۱۔ نادان ہو۔

۲۔ ضعیف ہو (یاد رہے کہ قرآن میں "ضعیف" کا لفظ "چھوٹے بچے" کے لیے بھی آیا ہے، جیسے فرمایا:

"وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ" (البقرۃ: ۲۶۶)

یعنی "اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں") اور،

۳۔ املاء کروانے کی اہلیت نہ رکھتا ہو۔

اور نابالغ میں یہ تینوں باتیں بیک وقت پائی جاتی ہیں۔ چہ جائیکہ بروئے قرآن صرف ایک پر بھی ولی کو حق ولایت تفویض کیا جا سکتا ہے۔ اب اگر نابالغ کی طرف سے لین دین کے معاملات میں اس کا ولی مختار ہو سکتا ہے تو معاہدۂ نکاح میں کیوں نہیں ہو سکتا نادان، نابالغ اور املاء نہ کرا سکنے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ معاہدات و عقود اور دیگر ایسے اہم معاملات میں ولی مقرر کرے اور ولی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے مفادات کی پوری پوری حفاظت کرے۔ گویا ان تین صورتوں میں سے صرف ایک صورت موجود ہونے کی بناء پر بھی ولی مقرر کرنے کا حق قرآنِ مجید نے دیا ہے، تو نابالغ، جس میں یہ

تینوں صورتیں بیک وقت پائی جاتی ہیں، یعنی نا پختہ عقل، کم سنی اور املاء نہ کرا سکنا، تو اسے معاہدۂ نکاح میں ولی مقرر کرنے کا یہ حق کیوں حاصل نہیں ہو سکتا؟ چنانچہ ولی اس کے ہمہ پہلو مفادات کا نگران ہوتا ہے۔ پھر نابالغ ہونے کی بناء پر نکاح ناجائز کیوں ہوا؟

معاہدات و عقود کے سلسلے میں شاہ صاحب نے ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ:

"اگر لڑکی نابالغ ہے، نہ گھر کا کام کاج کرنے کے قابل ہے نہ اولاد پیدا کرنے کے قابل تو کس سے عقد ہو گا؟"

تو یہ دلیل اس لیے انتہائی کمزور ہے کہ اگر ایک بالغ عورت گھر کا کام کاج کرنے یا اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو تو کیا اس کا نکاح بھی ناجائز و باطل ہو جائے گا؟

## ۴۔ بچپن کے نکاح کی حیثیت:

شاہ صاحب نے بچپن کے نکاح کے ابطال پر یہ دلیل پیش فرمائی ہے کہ:

"ہمارے فقہاء کہتے ہیں کہ نابالغ لڑکی، بالغ ہونے پر اگر نکاح کو رد کر دے تو وہ فسخ ہو جاتا ہے[1]۔ تو پھر وہ نکاح کیسا تھا؟ اس کی حیثیت کیا تھی؟"

اس اعتراض کا جواب دراصل شاہ صاحب کی اپنی عبارت ہی میں موجود ہے۔ اگر بچپن کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا تو لڑکی رد کس چیز کو کرتی ہے؟ پھر اگر نکاح ہوا ہی نہیں تو فسخ کیا چیز ہوتی ہے؟ رد اور فسخ دونوں الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ فقہاء یہ کہتے ہیں کہ بچپن کا نکاح بالکل درست طور پر اور ٹھیک ٹھاک منعقد ہو جاتا ہے۔ پھر یہ رد کرنا بھی ایسا نہیں ہے کہ لڑکی جوان ہوئی تو اس نے زبان سے کہہ دیا کہ "مجھے یہ نکاح پسند نہیں یا میں اس نکاح کو رد کرتی ہوں" تو فوراً آپ سے آپ نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کے لیے عورت کو باقاعدہ عدالتی چارہ جوئی کرنا پڑتی ہے۔ اور عدالت ہی اس بات کی مجاز ہوتی ہے کہ وہ ایسا نکاح فسخ قرار دے۔

بچپن کے نکاح کے ابطال پر شاہ صاحب موصوف نے ایک دلیل یہ بھی پیش

---

[1] یہ بات تو دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ معلوم نہیں کہ شاہ صاحب نے رسول اللہ یا سنتِ رسول ؐ کے حوالہ سے بات کرنے میں پرہیز میں کیا مصلحت سمجھی ہے۔

فرمائی ہے کہ قرآن میں ہے " نِسَآءُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ " اس سے بھی آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جب تک لڑکی بالغ نہ ہو وہ کھیتی بن ہی نہیں سکتی۔ جو پھل ابھی پکا ہی نہیں اسے آپ توڑ کر کھانے کے لیے کیسے موزوں سمجھیں گے؟

یہاں بھی شاہ صاحب نے ایک دفعہ پھر اپنا موقف دہرایا ہے، جس کے تحت وہ سمجھتے ہیں کہ نکاح کا مقصد حصولِ اولاد کے سوا اور کچھ نہیں۔ جبکہ ہم بدلائل یہ ثابت کر چکے ہیں کہ نکاح کے مقاصد حصولِ اولاد کے علاوہ اور بھی بہت سے ہیں اور ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا مقاصد کے تنوع کی بنا پر شریعت نے اس اصول میں لچک اور وسعت رکھی ہے۔

## ۵- کمسنی کے نکاح کے جواز پر قرآن مجید سے دوسری دلیل :

اگرچہ دورِ نبوی میں بچپن کے نکاح کا رواج عام تھا، تاہم رخصتی اسی وقت ہوتی تھی جب عورت بالغ ہو جاتی تھی۔ پھر بعض دفعہ یوں بھی ہوتا کہ رخصتی یا بالفاظِ دیگر مجامعت سے قبل ہی طلاق کی بھی نوبت آ جاتی۔ ایسی ہی صورت سے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

" وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ - الآیۃ!" (البقرہ : ۲۳۶)

" اور اگر تم اپنی ایسی بیبیوں کو طلاق دو، جن سے تم نے صحبت نہ کی ہو اور حق مہر مقرر کر چکے ہو، تو مقررہ رقم کا نصف دینا ہوگا۔"

اب سوچئے کہ اگر جوان مرد اور جوان عورت کا نکاح اور ساتھ ہی ساتھ رخصتی بھی کر دی جائے تو کیا ایسی صورت پیش آ سکتی ہے کہ شبِ زفاف کی مجامعت سے پہلے ہی طلاق واقع ہو جائے؟ لیکن اس کے باوجود مجامعت سے پیشتر طلاق کا وقوع پذیر ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جسے قرآن نے بطورِ حقیقت تسلیم کر کے ایسی صورت میں حق مہر کی ادائیگی کے متعلق فیصلہ بھی دے دیا ہے۔ ایسی طلاق کی صورت ہمارے خیال میں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ نکاح تو بچپن میں ہو چکا ہو لیکن رخصتی کو بلوغت تک کے لیے روک دیا گیا ہو۔ اس وقفہ کے دوران خاندانی رقابتوں یا دوسرے تنازعات کی بناء پر لڑکے کو طلاق دینے کے لیے مجبور کیا جائے یا وہ از خود اسی وجہ سے یا ناپسندیدگی کی بناء پر طلاق دے دے۔ گویا ہمارے نزدیک قرآن کا مجامعت سے پہلے طلاق کی

حقیقت کو تسلیم کر لینا ہی بچپن کے نکاح کے جواز کی دوسری دلیل ہے۔ اور اگر شاہ صاحب یہ کہیں کہ بالغ مرد و عورت کے نکاح میں بھی ایسی صورت پیش آسکتی ہے کہ مجامعت سے قبل طلاق واقع ہو جائے، تو یہی صورت نابالغ بچی کے نکاح میں بالاولیٰ داخل ہے۔ اور قرآنی حکم کا عموم اس صورت کو مانع نہیں!

## ۶۔ مجامعت قبل از بلوغت:

ہم ایک دفعہ پھر شاہ صاحب کے یہ الفاظ سامنے لاتے ہیں کہ "جو پھل ابھی پکا ہی نہیں، اسے آپ توڑ کر کھانے کے لیے کیسے موزوں سمجھیں گے؟" اس کے جواب میں ہم یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ رواج یہ تھا کہ بچپن میں نکاح تو کر دیا جاتا تھا۔ لیکن رخصتی عموماً بلوغت کے بعد ہی ہوا کرتی تھی۔ ہمارے ہاں عربوں کے ایسے نکاح کا مقام منگنی نے لے لیا اور رخصتی کا مقام شادی (نکاح + رخصتی) نے۔ گویا جس طرح ہمارے ہاں بعض دفعہ منگنیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ ان کے ہاں طلاق کے ذریعہ ایسے قصے ختم کئے جاتے تھے۔ اندریں صورتِ حال نابالغ بچی سے مجامعت کا سوال کم ہی پیدا ہوتا ہے۔ اس بات کی وضاحت بھی لاحاصل ہے کہ نابالغ بچی سے مجامعت اس کی صحت پر بری طرح سے اثر انداز ہوتی ہے۔ ہمیں کسی گائنا لوجسٹ سے پوچھنے کی ضرورت تو تب ہی ہو سکتی ہے، جب کسی کو اس کے نقصانات سے انکار یا اختلاف ہو۔ ان سب باتوں کے باوجود اگر کبھی ایسا اتفاق ہو جائے کہ کوئی شوہر اپنی کمسن زوجہ سے مجامعت کر بیٹھے تو اس کے اس فعل کو زیادہ سے زیادہ ناپسندیدہ ہی کہا جا سکتا ہے، اُسے گنہگار نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اس کی بیوی کا نقصان اس کا اپنا ہی نقصان ہے۔ بیوی کی صحت خراب ہو گی تو اس کے علاج معالجہ کے اخراجات بھی اسے ہی برداشت کرنا پڑیں گے اور تیمارداری کی ڈیوٹی بھی سرانجام دینا ہو گی۔ گویا نقصان دونوں کا ہو گا اگرچہ اس کی نوعیت الگ الگ ہو گی۔

پھر بعض دفعہ یوں بھی ہوتا ہے کہ عورت ہوتی تو بالغ یا جوان ہے مگر صحت کی خرابی یا کمزوری کی وجہ سے اس سے مجامعت کرنا اس کی بیماری میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے۔ اب اگر یہ بیمار بیوی، سوکن کو برداشت کرنے سے یہی بہتر سمجھے کہ شوہر اس سے مجامعت کرے یا مرد، عورت سے وفاداری، یا معاشی تنگی کی بناء پر دوسری عورت گھر

میں لانے پر آمادہ نہ ہو تو ایسی صورت میں آپ کیا علاج تجویز فرمائیں گے؟ یہ مسئلہ دراصل ایسا لاینحل بن جاتا ہے کہ میاں بیوی باہمی رضامندی یا مشاورت سے ہی اس کا کوئی حل سوچ سکتے ہیں اور وہی حل سب سے بہتر ہوتا ہے۔ اگر بیمار بیوی، اور اسی طرح کمسن بیوی' اپنے شوہر کو مجامعت کی اجازت دیتی یا اس پر رضامند ہو جاتی ہے، تو اس پر دوسروں کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ پھر یہ بھی مشاہدہ کی بات ہے کہ ایسے خاوند اپنی بیویوں کا پوری ہمدردی سے علاج کرانے کے علاوہ ان پر اپنی جان بھی چھڑکتے ہیں۔ گویا اگر عورت شوہر کی محبت کی خاطر اپنی صحت کی قربانی دیتی ہے تو مرد بھی ایسی وفاشعار بیوی کے ممکن حد تک قدردان ہوتے ہیں۔ لہٰذا میاں بیوی کے معاملات —— جیسے بھی ہوں —— کو وہ خود ہی باہمی رضامندی اور مشاورت سے بہتر طور پر حل کر سکتے ہیں۔ اور ایسا ہی حل بہتر ہوتا ہے' اگرچہ وہ دوسرے لوگوں کو کسی ایک فریق کے حق میں ضرر انگیز معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال جس طرح مجامعت قبل از بلوغت نقصان دِہ ثابت ہو سکتی ہے' اسی طرح بعد از بلوغت بھی اس کا ضرر رساں ہونا ناممکنات میں سے نہیں۔ لہٰذا یہ بات بھی نابالغی کے نکاح کے ناجائز ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔

## ۷۔ کمسنی کے نکاح کی مخالفت کی اصل وجہ:

ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ نکاح کے حکم اور ترغیب کا سب سے اہم مقصد فحاشی و بے حیائی سے پاک ایک پاکیزہ معاشرہ کا قیام ہے۔ اسی لیے قرآنِ کریم نے تمام بے شوہر عورتوں' خواہ وہ کنواری ہوں یا مطلقہ ہوں یا بیوہ ہوں، کے نکاح کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح ہر بے زن مرد کے لیے بھی نکاح کرنے اور معاشرہ کو ایسے نکاح کا اہتمام کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لحاظ سے اگر ہم کمسنی کے نکاح پر غور کریں، تو یہ حصولِ مقصد کے سلسلہ میں ضرر رساں ہونے کی بہ نسبت مفید ہی نظر آتا ہے۔ اسی لیے شرعی نقطۂ نظر سے کمسنی کا نکاح جائز قرار پاتا ہے۔

ہمارے جو دوست نکاح کی عمر 'بلوغت' پر زور دیتے اور اس سے پہلے کمسنی کے نکاح کو ناجائز قرار دیتے ہیں، ان کا مقصد معاشرہ کا عفاف ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ وہ دراصل یورپی تہذیب سے متاثر ہو کر ایسا پرچار کرتے ہیں۔ انگلستان کے مشہور

معیشت داں مالتھس نے ملک کی خوشحالی کے لیے آبادی کی روک تھام کو لازمی قرار دیا تھا۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ بھی تھی کہ مردوں اور عورتوں کی شادیاں دیر سے کی جاتیں، تاکہ بچے کم پیدا ہوں۔ اسی نظریہ سے متاثر ہو کر ہمارے پڑھے لکھے گھرانوں میں پچیس پچیس، تیس تیس سال تک شادی نہیں ہوتی، حالانکہ اس سے معاشرہ میں کافی خرابیاں پیدا ہوتے کا خدشہ ہوتا ہے۔ بایں ہمہ یہ لوگ بلوغت کی عمر کے بعد بھی دس بارہ سال شادی نہ ہوتے پر اس لیے خاموش رہتے ہیں کہ یہ تاخیر ان کے نظریہ "چھوٹا کنبہ خوشحال گھرانہ" کے لیے مفید ثابت ہوتی ہے۔ اور اسی لیے یہ بچپن کی شادی کی مخالفت بھی کرتے ہیں، اور سہارا قرآن کا لیتے ہیں۔ ورنہ اگر یہ لوگ قرآنِ مجید سے مخلص ہوتے تو پھر جو لوگ بلوغت کے بعد بھی تادیر شادی نہیں کرتے، ان کے خلاف بھی ضرور آواز اٹھاتے، کہ قرآنِ مجید صاف ستھرے اور پاکیزہ معاشرے کے قیام کا حکم تو دیتا ہے "چھوٹا کنبہ خوشحال گھرانہ" کا پرچار نہیں کرتا۔

هٰذَا مَا عِنْدِيْ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ!

---

شعر و ادب — جناب فضل رو پڑی

## اسی کا نام ہے بابرکت اور ذکر سعید

خدا کے نام گرامی سے کرتا ہوں تمہید
جو سب سے اعلیٰ و ارفع ہے صاحبِ تمجید

وہی ہے خالقِ عالم، وہی حمید و مجید
اسی کا نام ہے بابرکت اور ذکر سعید

کسی کا وہ نہیں دنیا میں اس کا کوئی نہیں
وہ بے نیاز بھی سب سے ہے واحد اور وحید

کچھ ایسے لوگ زمانے میں ہو گئے پیدا
ہمیشہ کرتے ہیں اسلام ہی کی جو تردید

وہ کہتے ہیں کہ نہیں قابلِ عمل اسلام
مطابق اب کے زمانے کے اسکی ہو تجدید

حقیقتاً یہ مطابق ہے ہر زمانے کے
نہیں ہے راہ پہ آنے کی انکے کچھ امید

صلوٰۃ و صوم سے وہ بے نیاز رہتے ہیں
خدا نے کی ہے اگرچہ بہت دفعہ تاکید

ہمیشہ نشۂ دولت میں مست رہتے ہیں
نہیں ہے انکے دلوں میں خدا کا خوف و وعید

خدا کے نور سے روشن ہے کائنات تمام
ہے اس کے نام کا سکہ رواں قریب و بعید

یہ کیا سبب ہے کہ سارا جہاں پریشاں ہے
کسی طرف سے ملے کوئی تو خوشی کی نوید

جہاں میں دینِ محمدؐ کا بول بالا ہو!
دعا ہے جلد اب آجائے ایسا دورِ سعید

معاشرے کی بھی اصلاح حال ہو جائے
کہ پھیل جائے زمانے میں چار سُو توحید